زہر عشق

ریاض بٹ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

زہرِ عشق

ریاض

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ وہ دور تھا جب جوانوں کے مشغلے صحت مند ہوتے تھے۔ کبڈی، پتھر اٹھانا، نیزہ بازی، کشتی اور ان جیسے دوسرے کھیل، عشق، محبت بھی ہوتی تھی لیکن سلیقے سے۔ ساتھ نبھائے جاتے تھے۔ وعدے وفا کیے جاتے تھے۔ اب میں کہانی کی طرف آتا ہوں۔ میں ابھی تھانے میں آیا ہی تھا کہ اطلاع آئی کہ قریبی گائوں کے میدان میں ایک جوان کی لاش پڑی ہے۔ جسے شناخت کر لیا گیا ہے۔

میں نے ضروری تیاری کے بعد دو سپاہیوں کو ساتھ لیا اور جائے واردات پر پہنچ گیا۔

یہ ایک بہت بڑا میدان تھا۔ یہاں تقریباً ہر قسم کے کھیل ہوتے تھے۔ مقتول کا نام افتخار بتایا گیا۔ اس کے والدین ایک طرف کھڑے رو رہے تھے خاص کر ماں (جس کا نام بعد میں بھاگ بھری معلوم ہوا) سینہ کوبی کرتے ہوئے اونچی آواز میں بین کر رہی تھی۔ ہم نے اپنا کام کرنا تھا۔ وہ ہم نے شروع کر دیا۔

لاش پیٹ کے بل پڑی تھی۔ میں نے اسے سیدھا کیا۔ گلے میں ایک رسی لپٹی ہوئی تھی اور اس کی گانٹھ بہت سخت اور تنگ تھی۔ میں نے گانٹھ کھول کر رسی کو گردن سے علیحدہ کیا۔

مقتول کو اسی رسی سے قتل کیا گیا تھا۔

زمین ظاہر ہے کچی تھی۔ اس لیے کھروں کے نشان بڑے واضح تھے۔ لگتا تھا بے خبری میں مقتول کو قتل کیا گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر آ گئی تھیں۔ گردن سوج گئی تھی۔ ایک بات بتانا تو میں بھول ہی گیا کہ مقتول کے کپڑے پاس ہی پڑے تھے اور اس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹ تھا۔

ضروری کارروائی کے بعد میں نے لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی۔ ایک سپاہی کو ساتھ بھیج دیا۔

دوسرا سپاہی میرے ساتھ تھا۔ گائوں کا نمبردار میرے آگے پیچھے بچھا جا رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم اس کی بیٹھک میں جا کر بیٹھ گئے۔ میدان میں تین درجن مرد و زن تھے جو تتر بتر ہو گئے تھے۔ اس دوران مقتول کی ماں بے ہوش ہو گئی تھی۔ اسے گائوں کی عورتیں لے گئی تھیں۔

ہم نے مقتول کے باپ کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اس کا بڑا خوب صورت اور اچھا نام تھا۔ لیکن بگاڑ دیا گیا تھا۔ نام غلام مصطفیٰ تھا لیکن اسے گاما کہتے تھے اسے چاہے کم علمی، جہالت اور بے وقوفی کہہ لیں لیکن بات غلط ہے بہر کیف اس بات کو آپ کی سوچوں کی نذر کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔

غلام مصطفیٰ کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ آنکھوں سے آنسو رواں دواں تھے۔ شانے ڈھلک گئے تھے۔ سر ڈول رہا تھا۔ مختصراً یہ کہ ہر اعضاء سے اضطراب مترشح تھا۔

بڑی مشکل سے اس نے چند سوالوں کے جواب دیے اور ہم نے اسے گھر بجھوا دیا۔

"کچھ باتیں نمبر دار نے بتائیں۔

کہانی کچھ یوں بنی کہ افتخار ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس سے بڑی ایک بہن تھی۔ جو ذہنی مریضہ تھی۔ جس کی وجہ سے ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

افتخار باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے کبڈی اور نیزہ بازی کا بھی شوق تھا۔

صبح صبح یعنی ابھی اندھیرا ہی ہوتا تھا۔ وہ میدان میں آ کر ورزش کرتا تھا۔ یہ جون کے آخری دن تھے۔ میدانی علاقوں میں تو بلا کی گرمی پڑتی تھی۔ مگر جیسا کہ آپ کے علم میں ہے میرا موجودہ تھانہ جہاں واقع تھا وہاں سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں میں موسم خوش گوار ہوتا تھا۔ وہ بھی ایسے ہی دن تھے۔

باپ نے بتایا تھا افتخار آج بھی معمول کے مطابق گھر سے نکل گیا تھا۔ نمبر دار نے میرے سوال کے جواب ہیں بتایا کہ افتخار کردار کا پکا تھا۔ اس کی کبھی ایسی ویسی بات نہیں سنی گئی تھی۔ اس کا قریبی دوست کلیم تھا۔ جس کی عمر مقتول کے تقریباً برابر ہی تھی۔ مقتول کا گھر میدان کے قریب ہی تھا۔ وہ سب سے پہلے آتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے بعد کلیم آتا تھا۔ باقی دوست شام کو آتے تھے۔ صرف چھٹی کے دن، یعنی اتوار کو صبح آتے تھے۔ یہ کبڈی کی ٹیم کے کھلاڑی تھے۔ کپتان افتخار تھا۔ کلیم کے باپ کی گائوں میں کریانے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔

آج کلیم نہیں آیا تھا۔ اس کے متعلق پتا چلا کہ وہ صبح صبح شہر چلا گیا تھا۔ مہینے میں ایک دن وہ دکان کے لیے سودا سلف لینے شہر جاتا تھا اور اس کی واپسی شام ڈھلے ہوتی تھی۔

اب ہمارا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ ہم واپس تھانے آ گئے۔

یہاں اے ایس آئی رانا تنویر میرے کمرے میں میرا منتظر تھا۔

میں نے اب تک کی تفتیش سے اسے آگاہ کیا۔

افتخار کے متعلق اس نے بتایا کہ کسی کے دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے لیکن اس کے خیالات بھی وہی ہیں۔ جو گائوں والوں کے یا نمبر دار کے ہیں۔

کلیم کے متعلق میں نمبر دار کو کہہ آیا تھا کہ جونہی واپس آئے تھانے بھیج دینا۔ موبائل کا دور تو تھا نہیں کہ فوری طور پر اس سے رابطہ قائم کر لیا جاتا۔

اس کے خلاف میرے ذہن میں کوئی شک نہیں تھا۔ صرف چند باتیں پوچھنا تھیں۔ مگر دوسری صبح تک جب وہ تھانے نہیں آیا تو مجھے اس کی ذات شک کے دبیز پردے میں لپٹی نظر آئی۔ ابھی میں کسی سپاہی کو اس کے گھر بھیجنے ہی والا تھا کہ مجھے اطلاع دی گئی۔ افتخار کا باپ اور کلیم کا باپ آئے ہیں اس وقت میں کمرے میں اکیلا تھا۔ میں نے فوراً دونوں کو بلا لیا۔

غلام مصطفیٰ تو خیر پریشان تھا ہی میں نے کلیم کے باپ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑتے دیکھیں۔ اس نے بتایا کہ کلیم ابھی تک واپس نہیں آیا۔ یہ ایک اور دھماکہ خیز اطلاع تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہر حال میں نے دونوں کو بٹھایا۔ تسلی دلاسہ دیا اور کلیم کے باپ سے پوچھا۔

''عموماً کلیم کتنے بجے تک گھر واپس آجاتا تھا۔''

''تھانے دار صاحب وہ اگر بہت دیر سے بھی آتا تھا تو نو بجے تک آجاتا تھا۔''

''اوہ...!'' میں نے ہنکارا بھرا۔

''کتنے پیسے لے کر وہ گیا تھا۔'' اچانک میں نے سوالات کا زاویہ بدلتے ہوئے کہا۔

''دس ہزار روپے۔'' کلیم کے باپ نے آنکھ میں آئے ہوئے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

''دس ہزار روپے۔'' میں نے اچھلتے ہوئے کہا۔ اس دور کے حساب سے یہ رقم بہت زیادہ تھی۔

''کیا اس سے پہلے بھی اتنی بڑی رقم لے کر وہ شہر جاتا تھا؟''

''نہیں تھانیدار صاحب دراصل پچھلے ماہ میں رقم دے نہیں سکا تھا اس لیے۔'' کلیم کے باپ نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

بہر حال بات اس نے یہ بتائی کہ وہ ہر ماہ پانچ ہزار روپے لے کر جاتا تھا۔ قارئین آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ پانچ ہزار میں کریانے کی دکان کا سودا؟ وہ ایسا ہی دور تھا۔ دوسرے دکان بھی چھوٹی سی تھی۔ میں نے کلیم کے باپ سے کہا وہ شام تک انتظار کرے۔ اگر وہ شام تک آجائے تو اسے لے کر تھانے آجائے۔ اس کے بعد میں نے دونوں کو رخصت کر دیا غلام مصطفیٰ نے رندھی ہوئی آواز میں مجھ سے صرف ایک سوال پوچھا تھا کہ تھانے دار صاحب مجھے بیٹے کی لاش کب تک ملے گی...؟ میں نے اسے کہا تھا کہ دوپہر کے بعد آجانا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ تو چلے گئے لیکن میرے لیے ان گنت سوال چھوڑ گئے۔ کلیم کدھر چلا گیا۔ وہ واپس کیوں نہیں آیا؟ کیا اس واردات کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے؟ اس کے ساتھ کیا بیتی؟ میں نے کلیم کے باپ سے اس کے جانے کا وقت پوچھ لیا تھا۔ اس نے صبح کے پانچ کا وقت بتایا تھا۔

ابھی میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اے ایس آئی رانا تنویر کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی اور میں سوچوں کے سمندر سے باہر نکل آیا۔

''سر کیا سوچ رہے ہیں؟''

''بھئی سوچنا کیا ہے۔ وہی پرانی روٹین ہے۔ جب کوئی واردات ہو جاتی ہے تو ہمارے لیے سوچوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

''سر یہ بات تو ہے۔'' اس نے سگریٹ سلگائے ہوتے کہا اور اس کے جلتے ہوئے سرے کو یوں دیکھنے لگا جیسے اس میں سے کسی ہاتھی کے نکلنے کی توقع کر رہا ہو۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد چائے آگئی۔ اس موسم میں چائے ہی چلتی تھی۔ چائے کی پیالی کے ساتھ ساتھ اس کا سگریٹ بھی ختم ہو گیا۔ اس دوران ہم اس کیس پر بحث کرتے رہے۔

میں نے اسے بتا دیا تھا کہ کلیم کتنے بجے گھر سے نکلا تھا۔ یہ بات بھی ہمارے علم میں آئی تھی کہ افتخار ساڑھے چار بجے گھر سے میدان میں چلا جاتا تھا۔

''سر ہو سکتا ہے افتخار کو کلیم نے قتل کیا ہو۔'' اے ایس آئی نے خیال ظاہر کیا۔

''بڑی دور کی کوڑی لائے ہو۔ لیکن وجہ!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر وجہ معلوم ہو ہی جائے گی۔'' اس نے اپنا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

''پھر وہ چلا گیا۔ جاتے جاتے مجھے بتا گیا کہ وہ سلطان محمود کو ساتھ لے جا رہا ہے۔ رانا تنویر ایک ذہین اے ایس آئی تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے۔

تقریباً دن دو بجے لاش آ گئی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ساتھ تھی۔ رپورٹ میں باقی تو سب کچھ وہی تھا جس کا ذکر آ چکا ہے یعنی رسی سے گلا گھونٹا گیا تھا۔ مگر...!

ایک بات چونکا دینے والی تھی۔ مقتول کو قتل کرنے سے پہلے چائے پلائی گئی تھی۔ وقت پانچ اور چھ کے درمیان لکھا تھا۔

یہی بات مجھے بھی کھٹک رہی تھی کہ اتنا ہٹا کٹا جوان قابو کیسے آ گیا تھا قاتل کے۔

تھوڑی دیر بعد غلام مصطفیٰ چار بندوں کے ساتھ آ گیا تھا۔

وہ لاش لے کر چلا گیا اور میں ضروری کاغذات نمٹانے میں لگ گیا۔ اس دوران میں نے دوپہر کا کھانا کھا لیا تھا۔ کیونکہ پیٹ پوجا بھی ضروری ہے۔ شام ڈھلے اے ایس آئی واپس آ گیا۔

''ہاں بھئی رانا صاحب کیا رہی۔ بس اسٹینڈ سے کیا معلومات حاصل ہوئیں؟'' میں نے کرسی پر سیدھا بیٹھتے ہوئے کہا۔

''سر آپ واقعی بہت جاگتا ہوا ذہن رکھتے ہیں۔'' اس نے مجھے مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے اندازہ کر لیا تھا کہ میں...!

''بالکل بھئی، میں تمہارے تیور پہچان گیا تھا۔''

پھر اس نے مجھے اپنی تفتیش سے آگاہ کیا۔ لیجیے اسی کی زبانی سنیے۔

''سر ہم لاری اڈے پر گئے اس بات کا تو مجھے پتا تھا کہ یہاں چھ بجے کے قریب لاری بڑے شہر کی طرف روانہ ہوتی تھی۔ کلیم کو بس کے کنڈیکٹر نے دیکھا تھا لیکن بقول اس کے وہ پہلی بس میں سوار نہیں ہوا تھا۔ وہ اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت شیدے کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔ وہ اس بس میں گیا تھا جو ساڑھے چھ بجے روانہ ہوتی ہے۔

''اچھا یہ تو حیرانی والی بات ہے۔'' میں نے اپنی اسٹک کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

''اور سر سب سے حیرانی والی بات تو یہ ہے کہ شیدے کو بھی اس کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔''

''یہ شیدا کون ذات شریف ہے۔'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''شیدا چوہدری احسان علی کا منہ چڑھا نوکر ہے۔

''اب ذرا چوہدری احسان علی کے جغرافیے سے بھی آگاہ کر دو۔''

''سر آدھی سے زیادہ زمینں چوہدری احسان علی کی ہیں۔ انتہائی مغرور اور خود غرض شخص ہے۔ شیدے جیسے کئی اور سورما اس کے دست و بازو ہیں۔ دو بیٹیاں ہیں۔ ایک کا نام بانو اور دوسری کا نینا ہے۔'' اے ایس آئی نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''بہت خوب۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے تم نے بڑے غور سے دونوں کو دیکھا ہے۔''

''سر بس اس قسم کی معلومات رکھنا ہماری مجبوری ہے۔'' وہ نیا سگریٹ سلگانے کے لیے ذرا خاموش ہوا پھر بولا۔

''مقتول کا باپ جس زمین پر کاشت کاری کرتا ہے وہ بھی چوہدری احسان علی کی ہے۔''

''ہو سکتا ہے چوہدری سے ملاقات کی ضرورت محسوس ہو۔'' میں نے کہا۔

''سر جب آپ حکم کریں۔''

پھر وہ مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

قارئین ہم نے جائے واردات پر پائے جانے والے کھروں کے فوٹوز بنا لیے تھے ان کا ذکر فی الحال مناسب نہیں۔

اگلی صبح تھانے پہنچ کر میں نے تھانے کا انتظام اے ایس آئی کے سپرد کیا اور ایک سپاہی کو لے کر کلیم کے گھر پہنچ گیا۔ ایک بات بتانا اس گورکھ دھندے میں بھول گیا ہوں کہ رات جب میں تھانے سے اٹھ رہا تھا تو کلیم کا باپ آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ کلیم ابھی تک واپس نہیں آیا آپ اس کی گمشدگی کی رپورٹ لکھ لیں۔ وہ رو رہا تھا۔ میں نے ہمدردی سے اس کا کاندھا تھپکتے ہوئے اسے محرر کے پاس بھیج دیا تھا۔ کلیم کے باپ نے آج دکان نہیں کھولی تھی۔

اس نے ہمیں عزت سے بٹھایا اور ہمارے منع کرنے کے باوجود چائے اور دوسرے لوازمات لے آیا۔ میں نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔

''دیکھیں بزرگوار' آپ کا بیٹا لاپتا ہو گیا ہے۔ ہمیں کوئی اشارہ' کوئی شک کی بات بتائیں گے تو بات بنے گی۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''تھانے دار صاحب ہماری کسی کے ساتھ دشمنی نہیں ہے اور نہ میں کسی پر شک ظاہر کر سکتا ہوں۔''

''آپ نے بڑے شہر کے اس آڑھتی سے کوئی رابطہ کیا ہے۔ میرا مطلب ہے ٹیلی فون پر۔'' میں نے اچانک ایک خیال کے تحت پوچھا۔

''میری تو مت ہی ماری گئی ہے۔ تھانے دار صاحب۔'' اس نے اپنے سر پر دو ہتھڑ مارتے ہوئے جواب دیا۔ ''چوہدری صاحب کے گھر میں فون ہے۔ میں رابطہ کروں گا۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ خود ہی شہر چلا جاؤں۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اب آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں گیند اب ہماری کورٹ میں ہے اور چوہدری کی حویلی کی طرف بھولے سے بھی نہ جائیں۔'' میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''بس ذرا آڑھتی کا ٹیلیفون نمبر دے دیں اور پتا بھی۔''

''آپ بادشاہ ہیں تھانے دار صاحب! لیکن اگر مناسب سمجھیں تو وجہ بھی بتا دیں۔''

''ابھی یہ مناسب نہیں ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔ جو بھی ہو گا اچھا ہی ہو گا۔''

اس نے ہمیں ٹیلیفون نمبر اور پتا دیا اور ہم تھانے میں واپس آ گئے۔ ہم کلیم کے باپ کو تسلی تو دے آئے تھے لیکن ہمیں سب اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس مسئلے میں شیدے جیسے بدمعاش کا پایا جانا نیک شگون نہیں تھا۔ وہ چوہدری جیسے خودسر شخص کا چہیتا تھا ایسے لوگ قانون کو گھر کی باندی اور جرائم کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

فی الحال میں چوہدری کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ البتہ میں نے سلطان محمود کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ شیدے کی سن گن رکھے اور وہ جونہی نظر آئے اسے پکڑ کر تھانے لے آئے اسے سفید کپڑوں میں رہنا تھا دوپہر کا کھانا کھا کر میں اے ایس آئی کا انتظار کرنے لگا۔ میں جونہی تھانے میں داخل ہوا تھا وہ مجھے بتا کر کہیں چلا گیا تھا۔ اس نے دو گھنٹے بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔

اپنے وعدے کے مطابق وہ آ گیا۔ میں نے اسے ساری بات سمجھائی اور دو سپاہیوں کو لے کر بڑے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم سفید کپڑوں میں تھے اور ایک ایسی گاڑی میں تھے جسے کوئی بھی پولیس کی گاڑی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

گاڑی ہم نے ایک تھانے میں کھڑی کی اور تھانے دار کو ساری صورتِ حال بتائی۔ اس نے ہماری خوب آؤ بھگت کی اور مجھے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

"خالد بھائی آپ اپنے دونوں سپاہی یہیں رہنے دیں اور میں آپ کو اپنے دو اہلکار دے دیتا ہوں۔" مجھے اس کی تجویز معقول لگی اور میں اس تھانے کے دو اہلکاروں کے ساتھ منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہلکار باقاعدہ وردی میں تھے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ اسی تھانے کی حدود میں ہماری منزل آتی تھی۔

شہر کا نام میں نہیں لکھوں گا البتہ اتنا بتا دیتا ہوں کہ وہاں مختلف اجناس کی بہت بڑی منڈی تھی اہلکار مجھے سیدھا دکان پر لے گئے۔ جب دکان کے مالک سے میں نے اپنے آنے کا مقصد بمع تعارف بیان کیا

تو وہ مرعوب ہو گیا اور ہمیں اپنے دفتر میں لے گیا۔ دکان کے دو حصے تھے۔ پیچھے گودام تھا اور آگے ایک کونے میں دفتر بنا ہوا تھا ہمارے کچھ کہنے سننے سے پہلے ہی اس نے گرما گرم جلیبی اور دودھ کا آرڈر دے دیا۔

اس نے بتایا کہ کلیم واقعی ہر مہینے آتا تھا لیکن اس بار نہیں آیا تھا اس نے اس کی بھی تصدیق کی کہ کلیم کا دس ہزار روپیہ ہو گیا تھا ہم نے باتوں باتوں میں اندازہ لگا لیا تھا کہ کلیم کی گمشدگی میں اس کا ہاتھ نہیں ہے ہم وہاں سے اٹھ آئے۔

اے ایس آئی نے مجھے شیدے کا حلیہ بتا دیا تھا اور مجھے یہ بھی پتا تھا کہ اس بڑے شہر میں بازار حسن بھی ہے۔ تھانے سے منڈی کا فاصلہ پیدل بامشکل دس منٹ کا تھا۔ میں نے دونوں اہلکاروں کو واپس کر دیا انہیں کہہ دیا کہ میں آتا ہوں کلیم کا حلیہ بھی مجھے اس کے باپ نے بتا دیا تھا۔ اب میرے قدم بازارِ حسن کی طرف بڑھنے لگے اس وقت بازار ویران پڑا تھا۔ یہاں پر زیادہ تر رونق رات کو ہوتی تھی۔ البتہ عصمت فروشی دن کو بھی ہوتی تھی لیکن چوری چھپے۔

کہتے ہیں جب کوئی کام یا مقصد حاصل ہونا ہوتا ہے۔ تو سبب خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ میں ایک پان سگریٹ کی دکان پر جا کھڑا ہوا اور اس سے وہ سگریٹ مانگے جو اے ایس آئی پیتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے اسے شیدے کا اور کلیم کا حلیہ بتا کر کہا کہ یہ دونوں میرے بھائی ہیں اور گھر سے بھاگے ہوئے ہیں۔

"یہ یہاں کبھی نظر آئے ہیں۔" پان سگریٹ فروش نے کہا کہ ایک کل نظر آیا تھا۔ یہ شیدا تھا۔

کڑیاں ملنی شروع ہو گئی تھیں لیکن کلیم کی گمشدگی ہنوز سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کلیم اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کسی کو چاہے کسی وجہ سے قتل کیا جائے قاتل مضطرب اور بوکھلایا بوکھلایا رہتا ہے اور اگر اس کے پاس پیسا آ جائے تو وہ بازارِ حسن خاص کر عصمت فروشی کے اڈے پر ضرور جاتا ہے۔ میرے جیسے دوسرے تھانے داروں کی تفتیشی کہانیوں میں آپ یہ سب کچھ پڑھتے رہتے ہیں۔

بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں پہنچ گئی اس کیس نے تو میرے دماغ کی چولیں تک ہلا دی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری کھوپڑی میں جتنا بھیجا ہے اسے یہ کیس کھا گیا ہے۔ شہر کے تھانے میں واپس آ کر میں نے اپنی تفتیش سے اپنے بھائی بند کو آگاہ کیا اور شیدے اور کلیم کے حلیے بتا کر اسے دونوں کی تلاش کی ذمہ داری سونپی ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ ایک کل بازار حسن میں دیکھا گیا ہے اس نے ہر ممکن مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

جب ہماری گاڑی اپنے تھانے میں داخل ہو رہی تھی تو اجالا آہستہ آہستہ اندھیرے میں مدغم ہو رہا تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا اس لیے اپنے کوارٹر میں چلا گیا تاکہ صبح تازہ دم ہو کر تفتیش کی گاڑی کو ڈرائیو کر سکوں۔ اگلی صبح واقعی میں تازہ دم ہو چکا تھا۔

ابھی مجھے اپنی کرسی پر بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ رانا آ گیا اس نے مجھے بتایا۔

"سر کلیم اور شیدا تو ایسے غائب ہو گئے ہیں جیسے کبھی گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوئے تھے۔"

"بھئی ذرا حوصلہ رکھو۔ بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئی ڈھونڈنا کون سا آسان کام ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری بات تو معقول ہے۔ ہم شیدے کے سلسلے میں اسے ٹٹول سکتے ہیں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن چوہدری احسان کی حویلی میں جانے کی نوبت نہیں آئی وہ خود ہی تھانے میں گیا۔

چوہدری کی عمر کا اندازہ ہم نے پچاس کے اریب قریب لگایا۔ رنگ اس کا سفید تھا چہرا لمبا اور ماتھا تنگ تھا۔ آنکھیں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ بندہ انتہائی درجے کا خود غرض ہے اس نے دو گھوڑا بوسکی کی قمیص اور اعلیٰ کوالٹی کے لٹھے کی شلوار زیبِ تن کی ہوئی تھی۔ مونچھوں اور سر کے بالوں کو خوب رنگا ہوا تھا۔ ہم نے اسے بٹھایا اور آنے کا مقصد پوچھا۔

''جناب آپ کے ہوتے ہوئے کیا اندھیر نگری مچی ہوئی ہے۔'' اس نے فرعونیت بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا چوہدری صاحب!'' میں نے ایسے لہجے میں کہا جیسے میں اس سے مرعوب ہو گیا ہوں۔

''پہلے افتخار قتل ہوا پھر کلیم لاپتا ہو گیا اب میرا خاص آدمی شیدا بھی گم ہے۔'' وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے ہم سرکار کے نہیں اس کے ملازم ہوں۔

مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں غصے کو پی گیا۔ جیسے خون کے گھونٹ پیئے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی میں نے چوہدری کی نظر بچارانا کو اشارہ کر دیا کہ وہ خاموش ہی رہے اور نرم لہجے میں چوہدری سے مخاطب ہوا۔ ''ہم افتخار اور کلیم کے معاملے کی تفتیش کر رہے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ شیدا کب سے غائب ہے؟'' ابھی میں اس کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ ہمیں خود شیدے کی تلاش ہے۔ وہ بولا۔

''جس دن افتخار قتل ہوا تھا۔'' اس کے بعد چوہدری نے ایک ایسی حرکت کی کہ اے ایس آئی اسے حوالات کی ہوا کھلانے کے درپے ہو گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کو ٹھنڈا کیا اور چوہدری کو رخصت کر دیا۔

دراصل چوہدری نے میری میز پر نوٹوں کی ایک بڑی گڈی پھینکتے ہوئے کہا تھا۔

''اسے رکھ لیں مجھے اپنا بندہ چاہیے۔ میں کسی کا احسان نہیں لیتا۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

قارئین میں آپ کو اصل بات بتا دیتا ہوں۔ مجھے یہ سارے معاملات چوہدری کی حویلی اور اس کے ارد گرد چکر لگاتے محسوس ہو رہے تھے اس لیے میں نے مصلحت کے تحت یہ سب کچھ کیا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے میں نہ پہلے کسی وڈیرے اور چوہدری سے مرعوب ہوا اور نہ اب ہوا تھا۔ البتہ رقم میں نے رکھ لی تھی۔ یہ بھی اسکیم کا حصہ تھا۔ اس تھانے میں آتے ہی اے ایس آئی نے مجھے تمام مخبروں کے متعلق بتا دیا تھا۔

ان میں دو تین عورتیں بھی تھیں۔ میں نے شالی کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے فیصلے سے اے ایس آئی کو آگاہ کر دیا۔

وہ چلا گیا...!

مجھے چوہدری کا رویہ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

شالی نے اگلے دن ہمیں کافی حوصلہ افزا رپورٹ دی۔ جس سے کلیم کا معاملہ ذرا روشنی میں آ گیا لیکن افتخار کا قتل فی الحال دلی دور است والا معاملہ لگ رہا تھا۔

ہم پکا ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ ہمیں یہ بھی توقع تھی کہ شیدا اگر بڑے شہر میں روپوش ہوا ہے تو بازارِ حسن کا چکر ضرور لگائے گا۔ ابھی میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ میری میز پر رکھے ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف شہر کے تھانے کا انچارج بول رہا تھا۔

''خالد بھائی کیا حال چال ہیں؟''

''اوہ طاہر بھائی، بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں کہو خیریت ہے۔''

''ادھر تو خیریت ہی ہے آپ کا بندہ مل گیا ہے لیکن وہ آپ کو نہیں مل سکتا۔'' طاہر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''کیوں بھئی!'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اپنا کوئی بندہ بھیج دیں اس کو ساری بات بتا دوں گا۔''

"ٹھیک ہے میں سپاہی دلاور کو بھیج دیتا ہوں۔" پھر میں نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور کریڈل کر دیا۔

سپاہی دلاور نے واپس آ کر مجھے رپورٹ دی تو میرے بیشتر اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔

کلیم قتل ہو چکا تھا اور قاتل شیدا تھا۔ قتل کی وجہ وہ نہیں تھی جو بظاہر نظر آ رہی تھی۔ یعنی دولت... بے شک دس ہزار روپیہ بہت بڑی رقم تھی اور یہ آم کے آم گٹھلیوں کے دام والی بات تھی۔ مقصد بھی حاصل ہو گیا تھا اور رقم مفت میں ہاتھ آئی تھی۔

قتل جس تھانے کی حدود میں ہوا تھا شیدا اب اس تھانے کا مجرم تھا البتہ پوسٹ مارٹم کے بعد لاش یہیں آنی تھی۔

وجہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ جب انسان ہوس کا بندہ بن جائے تو وہ اپنی ہوس کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے اور جب معاملہ چوہدری احسان علی جیسے شخص کا ہو تو جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ گائوں کی آدھی سے زیادہ زمینیں چوہدری کی تھیں۔ لیکن اس کی ہوس بڑھتی جا رہی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ گائوں کی ساری زمینیں اس کی ہو جائیں کلیم کے باپ کے نام بھی پانچ کنال زمین تھی۔ جس پر چوہدری کی نظریں تھیں۔ وہ کئی بار کلیم کے باپ سے کہہ چکا تھا کہ زمین مجھے دے دو۔ میں تمہیں اتنے پیسے دوں گا جس سے تمہاری دکان بڑی ہو جائے گی کلیم کا باپ چوہدری کے رعب اور دبدبے میں آ کر زمین بیچنے کو تیار ہو گیا تھا لیکن کلیم نے انکار کر دیا تھا اور ایک بار چوہدری کو کچھ تلخ ترش جملے بھی کہہ دیے تھے اس دن سے چوہدری کلیم کو دنیا کے تختے سے اٹھانے کے منصوبے بنانے لگا۔ بڑے شہر میں بھی چوہدری کے چند گُرگے رہتے تھے۔ شیدے کو پتا تھا کہ کلیم ہر ماہ بڑے شہر جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ شیدا کلیم کو ان گرگوں کے گھر لے گیا۔ پھر انہوں نے مل کر کلیم کا گلا گھونٹ دیا' پیسے آپس میں تقسیم کر لیے اور کلیم کی لاش ایک ویرانے میں جا کر دبا دی۔ شیدے نے یہ سب کچھ آسانی سے نہیں بتایا تھا بلکہ جب اس کی ہڈیاں مزید ٹھوک بجانے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے قابل نہیں رہی تھیں تب اس کی زبان رواں ہوئی تھی۔ چوہدری کو بھی میرے توسط سے بڑے شہر کے تھانے میں جانا پڑا تھا۔

چوہدری نے صاف انکار کر دیا تھا اس نے بیان دیا تھا کہ شیدا جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے پیسوں کی خاطر کلیم کو قتل کیا ہو گا اور اس کے ساتھیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

گواہ کوئی نہیں تھا اس بات کا جس کے سامنے چوہدری نے قتل کیا ہو چوہدری نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروالی تھی۔ ایف آئی آر میں اس کا نام ضرور تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وکیل چوہدری کو بچا لے گا۔

یہ سب کچھ تو ہو گیا تھا لیکن افتخار کے قتل کا معمہ حل ہونا باقی تھا۔

اس کے قتل کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ عورتوں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کسی کے ساتھ دشمنی بھی نہیں تھی۔ کلیم قتل ہو چکا تھا کبھی کبھی مجھے شک ہوتا تھا کہ ہو سکتا ہے کلیم نے ہی افتخار کو قتل کیا ہو۔

لیکن وجہ...!

کوئی بلاوجہ کسی کا خون نہیں بہاتا۔ یہ کیس تو میرے حلق کی ہڈی بن گیا تھا۔ عجیب اتفاق تھا کلیم اور افتخار کا کیس ساتھ ساتھ میرے پاس آیا تھا۔ کلیم کا کیس تو حل ہو گیا تھا۔ لیکن افتخار...؟

اس کے علاوہ ایک بات مجھے بری طرح الجھا رہی تھی کہ آخر افتخار کو قتل کرنے سے پہلے خواب آور چائے کیوں پلائی گئی تھی؟ عموماً ہوتا یہ ہے کہ ورزش کرنے والے درمیان میں کچھ کھاتے پیتے نہیں۔

یہ میری سروس کا طویل ترین کیس تھا۔ تین ماہ کا عرصہ ہو گیا اور یقین کریں اس دوران میں نے ایک کیس کی کامیاب تفتیش بھی کر لی تھی۔ اس کیس کی تفتیش ان شاءاللہ انہیں صفحات پر آئندہ بیان کروں گا۔

چوہدری احسان کا ایک احسان میری میز کی درازیں پڑا تھا۔ میں موقع کی تلاش میں تھا۔ نہ جانے کیوں میرے من میں یہ احساس سما گیا تھا کہ موقع ضرور آئے گا۔ مخبر اپنا کام کر رہے تھے ہمت ہارنے والا میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں تھا۔افتخار کا باپ اور ماں کئی بار آ چکے تھے۔ان کے آنسو اور التجائیں۔میرے دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام کیے ہوئے تھیں۔

اس وقت دن کے گیارہ بج چکے تھے اے ایس آئی بھی میری طرح پریشان تھا اور کام میں لگا ہوا تھا۔

اچانک سپاہی دلاور اندر داخل ہوا اور مجھے سلوٹ کر کے بولا۔

''سر! رانا صاحب نے آپ کو اسپتال میں بلایا ہے۔''

''اسپتال میں کیوں' بھئی خیر ہے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''سر نینا' نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی ہے اور وہ اس وقت اسپتال میں ہے۔''

پھر میں سپاہی کے ساتھ بھاگم بھاگ اسپتال پہنچا تھا۔میں نے نینا کو دیکھا۔واقعی بہت خوب صورت تھی لیکن اس وقت موت کی زردی نے اس کے حسن کو گہنا دیا تھا۔

وہاں اے ایس آئی موجود تھا۔وہ مجھے ایک طرف لے گیا اور بولا۔''سر ڈاکٹر نے کہا ہے اس کے بچنے کی امید صرف دس فیصد ہے۔اس کا بیان ضروری ہے۔''

ہم دونوں اس کے قریب چلے گئے۔ڈاکٹر ہمارے ساتھ تھا۔پوسٹ مارٹم بھی یہی ڈاکٹر کرتا تھا۔کافی ذہین اور اپنے پیشے میں کہنہ مشق تھا۔چوہدری احسان بھی ایک طرف پریشان کھڑا تھا اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔بہر حال نینا کی حالت بہت خراب تھی۔تقریباً بیس پچیس منٹ میں اس نے رک رک کر اور بڑی مشکل سے اپنا بیان لکھوایا۔بیان اے ایس آئی لکھ رہا تھا اور میرے کان اس کے منہ کے بالکل قریب تھے۔کیونکہ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔مجھے یہی لگ رہا تھا کہ وہ چند گھنٹوں کی مہمان ہے؟ ہم نے اس کے بیان پر ڈاکٹر کے اور دو گواہوں کے دستخط کروا لیے۔پھر ہم تھانے میں واپس آ گئے۔

شام کو ہمیں اطلاع ملی کہ نینا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب میں آپ کو نینا کے بیان سے آگاہ کر دیتا ہوں۔انسان کی نفسیات کیسے کیسے گل کھلاتی ہے ملاحظہ کیجیے۔

نینا نے لکھوایا تھا۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ کہہ رہی ہوں کہ میں نے خود خواب آور گولیاں کھائی ہیں اور یہ بھی اقرار کرتی ہوں کہ افتخار کو میں نے رسی سے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے۔وہ بے گناہ تھا۔غلطی میری تھی لیکن میں کیا کرتی؟ اس سے مجھے پیار ہو گیا تھا۔وہ میرے من میں اتر گیا تھا۔اسے نکالنا میرے بس سے باہر تھا۔وہ صبح میدان میں ورزش کرنے آتا تھا۔میں اکیلی سیر کے بہانے نکل جاتی تھی اور دور دور سے اس کو دیکھتی۔اس طرح کئی ماہ گزر گئے۔مجھے کسی پل چین نہیں آتا تھا۔میں مضطرب رہتی۔دن رات ماہی بے آب کی طرح تڑپتی تھی میرا وقت قریب آ گیا ہے مجھ سے بولا نہیں جا رہا۔اس لیے بات کو مختصر کرتی ہوں آخر ایک دن میں نے موقع دیکھ کر اس سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔وہ حیران نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا آخر میں نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا کچھ بات کرو... افو۔

کیا بات کروں بی بی جی آپ نے بات ہی ایسی کہہ دی ہے ہم تو آپ کے نوکر ہیں مزارعے ہیں میں نے آپ کے متعلق کبھی بھی اس طرح نہیں سوچا میں غصے میں بھری گھر واپس آ گئی۔اس کے بعد کئی دفعہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اس پر واضح کیا کہ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی لیکن وہ پتھر ٹس سے مس نہ ہوا۔آخر اس نے یہ کہا کہ میں چوہدری صاحب کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔میں نمک حرامی نہیں کروں گا۔

میں نے نیند کے لیے خواب آور گولیاں کھانی شروع کر دیں۔میری انا کو ٹھیس لگی تھی۔جذبے کبھی اتنے شدید ہوتے ہیں کہ انسان ان کے زیر اثر آ جاتا ہے۔میں نے سوچا کہ اگر افتخار میرا نہیں ہو سکتا تو میں اسے کسی کا بھی نہیں ہونے دوں گی۔ایک صبح جب سب گھر والے ابھی سو رہے تھے۔(میں جب جاتی تھی تو وہ سوئے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئے ہوتے تھے) میں نے چائے بنا کر تھرماس میں ڈالی اس میں پانچ چھ گولیاں خواب آور ڈالیں اور رسی کا ایک ٹکڑا لے کر میدان کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ مجھے ورزش کرتا ہوا ملا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ تو اس نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے انتہائی کھردرے لہجے میں کہا۔

آپ یہاں نہ آیا کریں۔ اگر آپ آئندہ یہاں آئیں تو...!

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ میں آئندہ نہیں آئوں گی۔ آج آخری بار آئی ہوں۔ چند باتیں کروں گی۔ یہ آخری باتیں ہوں گی۔ پھر میں نے اسے کہا کہ آخری بار میرے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے پی لو۔ میں نے باتوں میں لگا کر اسے چائے پلا دی۔ پانچ چھ گولیوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہونی شروع ہو گئیں۔ میرے سر پر خون سوار ہو گیا۔ وہ گرنے لگا تو میں نے اس کی گردن میں رسی ڈال دی۔ پھر...!

قارئین آپ نے دیکھا کہ زہر عشق اس کے تن بدن پر اثر کر چکا تھا۔ جس نے ایک کمزور سی لڑکی سے یہ واردات کروا دی تھی۔

جب نینا کو دفن ہوئے تین چار دن گزر گئے تو میں اور اے ایس آئی چوہدری احسان علی سے ملنے اس کی حویلی پہنچ گئے۔

وہ اپنی خواب گاہ میں بستر پر لیٹا ہوا ملا۔ اس کی حالت دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی فرعون صفت چوہدری ہے۔ جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ ہم نے چند رسمی سی باتیں کیں اور اس کی امانت (نوٹوں کی گڈی) اس کی چارپائی پر رکھ کر واپس آ گئے پہلے نوٹوں کی گڈی میں نے اسے مٹھی میں کرنے کے لیے پاس رکھی تھی۔ ہم اسے بہت کچھ یاد دلانا چاہتے تھے۔ کافی باتیں کرنا چاہتے تھے مگر اس کی حالت دیکھ کر ہماری زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ دنوں بعد ہمیں پتا چلا کہ چوہدری احسان علی جو بڑے فخر اور رعونت سے کہتا تھا کہ یہ میں کسی کا احسان نہیں لیتا۔ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اب وہ ہر کسی سے کہتا تھا۔ میری ساری زمینیں لے لو۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے کچھ نہیں چاہیے۔ یہ بات بھی بتا دوں کہ چوہدری کو بذریعہ فون شیدے نے کلیم کے قتل کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔ وہ ہم سے ڈراما کرنے تھانے میں آیا تھا۔ آخر میں بھی انسان ہوں۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں۔ کہ کھرے میرے ذہن سے نکل ہی گئے تھے۔ لیکن ایک بات سے آپ بھی اتفاق کریں گے کہ جس کام کو جس وقت ہونا ہوتا ہے اسی وقت ہوتا ہے اور جس طرح اس باری تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اسی طرح ہوتا ہے۔

☆☆☆